اشارات

گذشتہ سال قدس شریف میں موتمر اسلامی کا جو اجتماع ہوا تھا، اس کی تجاویز میں سب سے بہتر اور مبارک تجویز یہ تھی کہ اسلام کے قبلۂ اول میں تمام مسلمانان عالم کے لئے ایک جامعۂ اسلامیہ (مسلم یونیورسٹی) قائم کی جائے۔ اس تجویز کو عموماً پسند کیا گیا! اور مصر و فلسطین میں اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک حرکت شروع ہوگئی تاایں دم کی کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی تعلیمگاہ کے لئے ایک بڑی عمارت اور اس کے مصارف کیلئے ہزار پونڈ سالانہ کے اوقاف مل گئے ہیں لیکن ابھی کام شروع کرنیکے لئے مزید ۱۲۰۰۰۰ پونڈ کا انتظام ہونا ضروری ہے چنانچہ اس غرض کے لئے فلسطین کے مفتی اعظم مولٰنا الحاج امین الحسینی اور مصر کے سابق وزیر محمد علی پاشا علوبہ آجکل ہندوستان آئے ہوئے ہیں، اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس جامعۂ اسلامیہ میں تعلیم کا انتظام جس نہج پر ہوگا اس کی تفصیلات ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آئیں لیکن معزز وافدین نے اس کا جو مختصر خاکہ اپنے بیانات میں پیش کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سردست جامعہ کے چار شعبے ہوں گے۔ دینیات، طب، زراعت اور صنعت و حرفت۔

اگرچہ جامعہ مذکور کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کی تفصیلات کا مطالعہ کئے بغیر محض اس مختصر بیان پر کوئی رائے ظاہر کرنا قبل از وقت ہوگا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ان تفصیلات کے متعین ہونے سے پہلے چند باتیں اصول کے طور پر جامعۂ اسلامیہ کے مؤسسین اور ارباب حل و عقد کے سامنے پیش کریں۔

جہانتک مسلمانان فلسطین کی مقامی ضروریات کا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے لئے نہ صرف ان شعبوں کا قائم

ہونا ضروری ہے جن کا ذکر معزز وافدین نے کیا ہے، بلکہ فنون ہندسہ، حقوق اور اگر ممکن ہو تو فن حرب کے شعبے بھی قائم کرنے کی ضرورت ہوگی لیکن اس حیثیت سے اس جامعہ میں کوئی ایسی خصوصیت نہ ہوگی جس کی بنا پر وہ جامعہ اسلامیہ کہی جا سکے، اور تمام مسلمانان عالم کے لئے ایک علمی و فکری مرکز بن سکے۔ اسی طرح اگر اس میں شعبہ دینیات کی حیثیت بھی وہی ہو جیسی قاہرہ، حیدرآباد، دہلی اور علیگڈھ کی یونیورسٹیوں میں ہے تب بھی یہ اس مقصد کو پورا نہ کرسکے گی جس کی خاطر دنیائے اسلام کے لئے ایک مرکزی جامعہ اسلامیہ کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اور یہی کیفیت اس صورت میں بھی ہوگی کہ اس مجوزہ یونیورسٹی کا شعبہ دینیات عالم اسلامی میں دیوبند اور ازہر کی طرح کے ایک اور معہد علمی اسلامی کا اضافہ کردے۔ دراصل عالم اسلامی کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک ایسی جامعہ ہے جو علوم اسلامیہ میں نئے سرے سے زندگی کی روح پھونک دے، سات صدیوں سے ان پر جمود اور خمود کی جو کیفیت طاری ہے اس کو دور کرے، ان میں حرکت اور نمو کی قوت پیدا کرے، اور ان کے نظام میں ایسی جان ڈال دے کہ جو لوگ ان کو پڑھ کر نکلیں وہ جامد اور محض مقلد نہ ہوں بلکہ اصحاب فکر و اجتہاد ہوں، اور علمائے متاخرین کی طرح محض درس و افتا کے مسند نشین نہ ہوں، بلکہ فکر و عمل کے میدان میں مسلمانوں کے قائد و رہنما بن سکیں۔

اس وقت مسلمانوں کی جتنی یونیورسٹیاں دنیا میں قائم ہیں وہ سب بلاشبہ اپنے اپنے میدان میں کچھ نہ کچھ مفید کام کر رہی ہیں، لیکن وہ مسلمانوں کی اصلی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو ان میں مغربی یونیورسٹیوں کی ہو بہو نقل اتارنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس بنا پر وہ اس تخیل، اس روح، اس قوت محرکہ اور اس ذہنیت سے خالی ہیں جو خالص اسلامی ہو، یا پھر وہ صدیوں پہلے کے اسلامی مدارس کے آثار باقیہ ہیں جن میں اسلامیت اس معنی میں تو ضرور ہے کہ ان کا ڈھانچا اسلامی طرز کا ہے، مگر وہ فکر و عمل کی روح سے خالی محض ایک بے جان ڈھانچہ ہے۔ پہلی قسم کی یونیورسٹیاں اس ٹکسال کی طرح ہیں جو دوسری ٹکسالوں کے سکے بناتی ہے۔ اور دوسری قسم کی یونیورسٹیاں اس ٹکسال کے مانند ہیں جو سکے تو اپنے ہی بناتی ہے، مگر ان کا چلن دنیا میں نہیں ہے۔ ہماری ضرورت ان دونوں ٹکسالوں سے پوری نہیں ہوتی کیونکہ ہمیں ضرورت ایسی ٹکسال کی ہے جو سکے بھی اپنے بنائے اور دنیا میں ان کا چلن بھی ہو۔ یہی مسئلہ ہے جس کو حل کرنے کے لئے گذشتہ نصف صدی

ہے مسلمانوں کے ارباب فکر کوشش کر رہے ہیں غور کیا جا رہا ہے کہ تعلیم کے ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر کوئی ایسا طریقہ ایجاد کیا جائے جس کا ڈھانچہ بھی اسلامی ہو اور روح بھی اسلامی اور پھر اس کے ساتھ ہی اس میں وہ قوت محرکہ بھی ہو جو وقت کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے کچھ لوگ اس تجربہ پر پہنچے کہ اس سوال کا حل علوم جدیدہ اور علوم اسلامیہ کے ایک معتدل امتزاج میں ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ علوم اسلامیہ کی تعلیم کو علوم جدیدہ کے طرز پر ڈھالا جائے۔ ان مختلف خیالات کے تحت اب تک مختلف تعلیمی تجربے ہو چکے ہیں اور ان سے نسبتہً بہتر نتائج بھی حاصل ہوئے ہیں لیکن اصلی مقصد جس کے لئے یہ تمام کوششیں کی جا رہی ہیں اب تک حاصل نہیں ہو سکا ہے۔

جہاں تک علوم جدیدہ اور علوم اسلامیہ کی آمیزش کا تعلق ہے اس کے مفید اور ضروری ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر ہمارے نزدیک صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ علوم اسلامیہ کی تعلیم کے طرز میں بنیادی تغیر کیا جائے اور سرے سے پوری مشین کی ترتیب ہی کو بدل دیا جائے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علوم اسلامیہ کی تعلیم جدید طرز پر ہو جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ ہمارا مقصد اس کے بالکل برعکس ہے ہم چاہتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کی تعلیم کو جس ڈھنگ پر متاخرین نے ڈال دیا ہے اس کو چھوڑ کر وہ ڈھنگ اختیار کیا جائے جو اسلام کی ابتدائی چار صدیوں میں رائج تھا۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آج اس چودھویں صدی میں ہم وہ طریق تعلیم اختیار کرنا چاہتے ہیں جو دوسری اور تیسری صدی کے مناسب حال تھا۔ بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ ہمیں اسلامی علوم کی تعلیم کا وہ اصول اختیار کرنا چاہئے جس سے مجتہد پیدا ہوتے تھے اور وہ اصول ترک کر دینا چاہئے جس سے بعد میں مقلد پیدا ہونے لگے۔

یہ اصول کیا ہے؟ مختصر الفاظ میں اس کا بیان یہ ہے کہ ہمارے پورے نظام تعلیم کا مرکز اور مدار قرآن مجید ہونا چاہئے درس و تدریس کی اصلی غرض یہ ہو کہ ہمیں قرآن مجید کو سمجھنا ہے۔ اس کے معانی و مطالب تک رسائی حاصل کرنی ہے اس کے معارف و حقائق میں بصیرت پیدا کرنی ہے اس کو اپنے افکار اور اپنے تخیلات کا حقیقی رہنما بنانا ہے، اور

اپنی زندگی اس کے سانچے میں ڈھالنی ہے عربی صرف ونحو لغت و ادب معانی و بیان کی تعلیم اسلئے ہو کہ کلام الٰہی کی عبارتوں کو سمجھا جائے سیرت رسولؐ احادیث و آثار صحابہ و تابعین اور بزرگان اہل بیت کی سیرتوں اور ان کے اقوال کا تفحص اس لئے کیا جائے کہ رسول اکرم اور آپ کے سچے متبعین نے قرآن کو کس طرح سمجھا کس طرح سمجھایا اور اپنی عملی زندگی میں اس کو کس طرح برتا فقہا کے کلام اور ان کے اجتہادات میں اس نقطۂ نظر سے غور وخوض کیا جائے کہ ان سے وہ طریقے معلوم کئے جائیں جن پر عمل کرکے مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس کرنے والوں نے مسائل کا استنباط کیا اور اصول سے فروع نکالے مفسرین کی تقریروں اور متکلمین کی تاویلوں کا مطالعہ اس غرض سے کیا جائے کہ ان سے وہ تمام پہلو نظر میں آجائیں جو مختلف خیالات رکھنے والے اہل علم و تحقیق نے کتاب و سنت کی تعبیر میں اختیار کئے ہیں سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات، قانون اور علوم عمرانی کا مطالعہ اس غرض سے کیا جائے کہ ہم اپنی زندگی کے مسائل میں کتاب وسنت کے مقرر کئے ہوئے اصول پر عمل کرنے کے صحیح طریقے متعین کر سکیں، اور اسلامی نظام تمدن کو ایک ایسا نظام بنا سکیں جو ساکن و جامد نہ ہو، بلکہ وقت اور زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا رہے فلسفہ و منطق اور علوم عقلیہ کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کیا جائے کہ افکار بشری میں انقلاب پیدا ہو اور اسلامی فکر اور اسلامی تخیل دماغوں پر حکمران ہو جائے غرض ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم ایک ایسا نظام تعلیم قائم کریں جس میں قرآن کی حیثیت ایک محور کی ہو اور یہ پورا نظام اسی محور پر گردش کرے یہی ایک صورت ہے جس سے اسلامی تمدن نہ صرف زندہ کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کو دنیا کا غالب تمدن بنایا جا سکتا ہے۔

گذشتہ مہینے سے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے ایک عمدہ تحریک شروع کی ہے جس کا چرچا حیدرآباد میں آہستہ آہستہ شروع ہو گیا ہے مقصود اس کا یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حلقۂ اثر میں قرآن مجید کی تعلیمات کو اشاعت دینے کی کوشش کرے اور نہ صرف خود اپنے اوقات کا ایک حصہ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ قرآن مجید کو سمجھنے میں صرف کرے، بلکہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی اس طرف توجہ دلائے نیز جن لوگوں کو وہ خود پڑھا سکتا ہو انھیں پڑھائے بھی چاہے وہ